خلافتِ راشدہ اور مسئلہ امامت

تحریر: محمود مرزا جہلمی چیف ایڈیٹر ہفت روزہ ''صدائے مسلم''، جہلم

آقائے نامدار، سرورِ دو عالم، فخرِ موجودات سیدنا مولانا محمد ﷺ کی اس دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف رحلت کے بعد خلافتِ اسلامیہ کا آغاز ہوا اور خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ حضورِ اقدس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کچھ ایسے اشارے ضرور دیئے تھے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ سیدنا ابوبکرؓ کو اپنا جانشین دیکھنا پسند فرماتے تھے مگر زبانِ مبارک سے انہیں نامزد نہ کیا تھا۔ یہ اشارے کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ مگر ان کی خلافت مہاجر و انصار صحابہ کرامؓ کی رائے سے عمل میں آئی۔ مہاجر و انصار کے درمیان پہلے اختلاف ہوا جو شورائیت کی روح ہے۔ پھر یہ اختلاف رائے... باہم مشاورت سے طے ہوا اور ابوبکر صدیقؓ متفقہ خلیفۃ الرسول اور امیر المؤمنین بنے۔ سیدنا علیؓ چاہتے تھے کہ قرعۂ فال ان کے نام نکلے اور اسی سلسلے میں انہوں نے بھی اپنا جمہوری حق استعمال فرمایا اور اکابر صحابہؓ سے رابطہ بھی کیا لیکن اکثریت کے اجماع کو دیکھ کر خوش دلی سے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس سارے معاملے پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اتنا قدرتی تھا کہ یہ یونہی ہونا چاہئے تھا۔ تاریخ خلافت کے صفحات یہ شہادت تو دیتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے رائے عامہ اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش ضرور کی اور ایسا کرنے میں کوئی امر جمہوری قاعدے کے مطابق، مانع بھی نہ تھا لیکن جب خلافتِ صدیقی قائم ہوگئی تو پھر آپؓ نے بیعت کرنے میں تأمل نہ کیا۔ آپؓ نے یہ دلیل نہ پکڑی کہ تختِ خلافت پر ان کی تاجپوشی، حضورؐ کے دستِ مبارک سے خمِ غدیر پر ہو چکی ہوئی ہے اور نہ ہی آپؓ نے یہ دعویٰ فرمایا کہ رسالت کے بعد سلسلۂ امامت شروع ہو چکا ہے اور وہ اس سلسلہ کے اولین مأمور و منصوص من اللہ امام ہیں اور ان کی موجودگی میں صحابہؓ کو کسی بھی شخص کو خلیفہ چننے کا کوئی حق نہ تھا۔ حالانکہ ان دونوں امور کے اعلان کا اس سے بہتر کوئی اور موقع ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

سیدنا ابوبکرؓ نے، سیدنا عمر فاروقؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا۔ یہ نامزدگی کوئی خفیہ نہ تھی بلکہ آپؓ نے صحابہؓ کے جمِ غفیر کے سامنے انہیں اپنا جانشین نامزد کیا۔ تاریخ میں یہ شہادت بھی موجود ہے کہ صحابہؓ نے اس

اعلان پر اپنا ردعمل بھی ظاہر فرمایا اور عمر فاروق ؓ کی سخت گیری کا ذکر کیا۔ جس کا حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جواب بھی دیا کہ خلیفہ بن کر عمر کی سختی، نرمی میں بدل جائے گی۔ اگر صحابہ ؓ کو اپنا ردعمل ظاہر کرنے کا حق تھا تو یہ حق سیدنا علیؓ کو بھی حاصل تھا کہ وہ مقام غدیر پر اپنی تاجپوشی اور سلسلۂ امامت کے اولین منصوص من اللہ امام ہونے کا حوالہ دیتے اور خلافت پر اپنا حق جتاتے لیکن ایسا نہیں ہوا اور ایسا نہ ہونا کافی دلیل ہے کہ کم از کم آپؓ کے نزدیک نہ یہ کوئی تاجپوشی تھی اور نہ آپؓ کے ہاں کسی سلسلۂ امامت کا وجود تھا۔

یہ درست ہے کہ سیدنا علیؓ نے عمر فاروق ؓ کی بیعت میں تاخیر فرمائی مگر یہ تاخیر اسی حقیقت کا ثبوت ہے کہ وہ خلافت کے خواہاں تھے لیکن جب صحابہ کرامؓ نے بیعت کر لی اور خلافت قائم ہوگئی تو آپؓ نے اسے انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور تاریخ خلافت میں درجنوں ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خلفائے راشدین میں حد درجہ مہر و محبت کے معاملات و علائق موجود تھے۔ خصوصاً یہ حقیقت اس محبت کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ سیدنا علیؓ نے اپنے بیٹوں کے نام اُصحابِ ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان) کے ناموں پر رکھے۔ اگر ان کے نزدیک ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ، ان کے حقِ خلافت کے غاصب ہوتے تو کم از کم ان کے ناموں پر اپنے بیٹوں کے نام نہ رکھتے۔

سیدنا عمر فاروق ؓ نے چھ صحابہ کے نام دے کر بارہ صحابہ ؓ کو ان میں سے خلیفہ چن لینے کی وصیت فرمائی۔ ان چھ صحابہ میں سیدنا علیؓ کا نام بھی تھا۔ اگر ان کے دل میں علیؓ کے حق میں کوئی کد ہوتی تو وہ ان کا نام کیوں شامل فرماتے؟ ان کا ایسا کرنا سیدنا علی ؓ سے ان کی کسی بھی دشمنی یا کشیدگی کی تردید کرنے کو کافی ہے۔ بلکہ ان کے درمیان رشتۂ مصاہرت کا ہونا، ان کے درمیان غایت درجہ قرابت کا ثبوت ہے۔

شہادتِ عثمانؓ کے بعد، سیدنا علیؓ خلیفہ چنے گئے اور امیر معاویہؓ نے نہ صرف انکار بیعت کیا بلکہ ان کی خلافت کو بھی چیلنج کیا تو آپؓ نے اپنی خلافت کی صحت پر جو دلیل دی وہ اس سارے الزام کو دھو کر رکھ دیتی ہے کہ خلفائے ثلاثہ کا انتخاب، ان کے حقِ خلافت کا غصب تھا۔ آپؓ نے سیدنا امیر معاویہؓ کو یہ دلیل دی تھی کہ ان کی خلافت اسی طرح اصحابِ مدینہ کی رائے سے قائم ہوئی تھی جس طرح اس سے پہلے اصحابِ ثلاثہؓ کی۔ گویا ان کے نزدیک اصحابِ مدینہ کے جس طرح پہلے تین فیصلے درست تھے، اسی طرح چوتھا فیصلہ بھی درست تھا۔ رہی یہ بات کہ سیدنا امیر معاویہ ؓ کا اقدام کیسا تھا؟ تو اس پر رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ پہلے سے موجود ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال قائم رہے گی۔ اسی لئے خلافتِ راشدہ کے خاتم حضرت حسنؓ بنتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ ؓ کا دور خلافتِ راشدہ میں نہیں آتا۔

سیدنا علیؓ جیسے بہادر اور شیرِ ربانی پر یہ الزام لگانا ان کی توہین ہے کہ وہ خلفائے ثلاثہ سے تعاون ظاہری طور پر کرتے رہے اور امت کی ایکتا کی خاطر تقیہ سے کام لیتے رہے۔ ہم اس الزام کی دو طرح پر تردید کرتے ہیں:

الف: امت کی ایکتا کی خاطر وہ خلافت کے باب میں تو خاموش رہے اور اپنے عالی قدر پیش رووں سے تعاون کرتے رہے مگر وہ آسمانی امامت کے امر میں کیوں خاموش رہے۔ اگر وہ واقعی منصوص من اللہ امام تھے اور سلسلۂ امامت واقعی آسمانی تھا تو وہ پابند تھے کہ اس کا اعلان ڈنکے کی چوٹ پر کرتے۔ انہیں اپنی امامت کا اعلان اور دعویٰ اسی طرح کرنا واجب تھا۔ جس طرح انبیاء دعوائے نبوت کرتے تھے۔ کیا وہ دعوائے امامت کرنے میں بھی تقیہ سے کام لیتے رہے؟ کیا کوئی امام ایسا بھی ہوسکتا ہے جسے آسمانی اتھارٹی دی گئی ہو اور وہ اتنا مصلحت اندیش ہو کہ اس کا اعلان اپنے جیتے جی نہ کر سکے؟ اگر ہوسکتا ہے تو کم از کم اسد اللہ الغالب علیؓ نہیں ہوسکتا۔ ہمارا علیؓ اتنا کمزور نہ تھا۔

ب: علیؓ معاویہؓ کشمکش کوئی ساڑھے پانچ سال جاری رہی۔ امت کی ایکتا پر ضرب کاری لگی۔ ہزاروں صحابہؓ خون میں نہا گئے۔ جسدِ ملت پر ایسے زخم لگے جو آج تک رس رہے ہیں۔ کیا اس ساری خون ریزی کا انسداد نہ ہوسکتا تھا اگر ان دو بزرگواروں میں سے کوئی ایک حقِ خلافت سے دستبردار ہو جاتا؟ اور یہ دستبرداری، امت کی شیرازہ بندی کی خاطر، بدرجۂ اولیٰ سیدنا علیؓ کو زیبا تھی کیونکہ وہ مبینہ طور پر اپنے پیش رووں کے دور میں ایسا کرتے چلے آرہے تھے۔

پس معلوم ہوا کہ سیدنا علیؓ کسی مصلحت کی خاطر یا تقیہ کے تحت اصحابِ ثلاثہؓ سے تعاون نہ کرتے رہے بلکہ یہ تعاون اصولی تھا اور خوش دلی سے تھا اور جب یہ خلافت ان تک پہنچی تو انہوں نے اپنے اس حق کا دفاع بھرپور طریقے سے کیا۔ امت کی ایکتا ٹوٹی اور وہ واضح طور پر شیعانِ علیؓ اور شیعانِ معاویہؓ میں بٹ گئی۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ "ام المومنین" کے مقامِ ارفع کی مالک ہیں۔ علیؓ سے ان کا رشتہ اس سے بھی آگے تھا۔ سیدہ فاطمہؓ کی وہ سوتیلی ماں تھیں۔ اس رشتے سے علیؓ ان کے داماد بنتے تھے۔ داماد بیٹا بھی ہوتا ہے۔ مگر اپنی خلافت کے دفاع میں وہ ان رشتوں سے بے پرواہ ہو کر جنگِ جمل میں ان کے خلاف صف آراء ہوئے۔ پھر نہروان اور صفین کے معرکہ ہائے خونیں کے ذریعے اپنے حقِ خلافت کا تحفظ کیا۔ پس اگر خلفائے ثلاثہؓ ان کے اس حق پر تعدی کرتے تو وہ اپنا حق بچانے کیلئے اپنی پوری قوت کام میں لاتے اور کسی

مصلحت کو خاطر میں نہ لاتے۔ حقیقت یہی ہے کہ وہ خلافت کے امیدوار تو روزِ اول سے ہی تھے۔ لیکن اسے اپنا حق خیال نہ فرماتے تھے اور جب یہ آخر کار حق کے طور پر بیعتِ صحابہؓ کے ذریعے ان تک پہنچی تو پھر تاحین حیات اس کا دفاع کیا۔

اسی طرح اگر وہ منصوص من اللہ امام ہوتے اور امامت کوئی آسمانی سلسلہ ہوتا تو وہ اس کا دعویٰ نہایت ہی بلند آواز میں کرتے۔ اور کون نہیں جانتا کہ ہر دعویٰ کو ماننے والے اور اس کے منکرین بھی ہوتے ہیں۔ یوں علیؓ کے اس دعویٰ کے نتیجے میں یہ دونوں گروہ پھر بنتے اور اس کے اولین اقراری و انکاری اصحابِ رسول ہوتے۔ اگر ایسا کوئی دعویٰ سیدنا علیؓ نے کیا ہوتا اور اقرار و انکارِ صحابہ کا کوئی واقعہ رونما ہوا ہوتا تو تاریخ اس کی شہادت میں بخل سے کام نہ لیتی۔ پس عقیدہ امامتِ علیؓ بھی ایجادِ بندہ کے تحت آتا ہے۔ سوخم غدیر کی تاجپوشی اور عقیدۂ امامت کا سیدنا علیؓ سے کوئی بھی رشتہ نہیں جڑتا۔

یہاں ایک اور بڑی غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہ خلافت کیلئے اپنے اپنے والد کیلئے راہ ہموار کرتی رہتی تھیں اور رسول اللہؐ پر اپنے اپنے انداز میں اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ اس کے ساتھ اگر اس روایت کو بھی ملا لیا جائے کہ آپؐ نے بیماری کے دوران کاغذ قلم لانے کو کہا مگر سیدنا عمر فاروقؓ اس امرِ نبویؐ کی تعمیل میں حارج ہوئے تو اس ساری غلط فہمی کے تار و پود بکھر جاتے ہیں۔ اصحابِ سیر نے لکھا ہے کہ بیماری کے دوران حضور اقدس ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ایک صحابیؓ کو حکم دیا کہ سیدنا ابوبکرؓ کو کہیں کہ نماز پڑھا دیں۔ مگر جب وہ صحابیؓ کاشانۂ نبوت سے روانہ ہونے لگے تو عائشہ صدیقہؓ نے سیدہ حفصہؓ سے کہا کہ وہ اس صحابی سے کہیں کہ ان کے والد ابوبکرؓ کی جگہ عمر کو نماز پڑھانے کا کہیں کیونکہ اول الذکر رقیق القلب ہیں اور وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ مگر حفصہؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ایسا کرنے سے رسول اللہؐ کے ارشاد کی خلاف ورزی ہوتی تھی۔ اب اتفاق یہ ہوا کہ ابوبکر صدیقؓ مسجد میں موجود نہ تھے اور صحابی نے اپنی درجہ بندی کے حساب سے ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ کو نماز پڑھانے کیلئے کہہ دیا۔ عمرؓ بلند بانگ تھے۔ ان کی صدائے اللہ اکبر حجرہ شریف میں سنی گئی تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ ابوبکرؓ کے ہوتے ہوئے عمرؓ نماز پڑھائیں۔ جب عمرؓ کو اصل بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس صحابی سے باز پرس کی اور حضور ﷺ کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ قارئین اس کی روشنی میں دیکھ لیں کہ اماں عائشہؓ اور اماں حفصہؓ کا رول کیا ہے۔ اگر وہ واقعی ایسا کر رہی ہوتیں تو عائشہؓ حضورؐ کی زندگی میں آپؐ کے مصلائے امامت پر اپنے والد کو کیوں نہ کھڑا ہونے دیتیں اور پھر اگر حفصہؓ بھی اسی کوشش میں ہوتیں تو

عائشہؓ کی تجویز پر فوراً عمل کیوں نہ کرتیں اور اگر ابوبکرؓ خلافت کے متلاشی ہوتے تو اس اہم موقع پر ضرور ہی کہیں آس پاس موجود ہوتے اور اگر عمرؓ خلافت کی تاک میں ہوتے تو نماز پڑھانے کے بعد صحابیؓ سے باز پرس نہ کرتے۔ پس یہ غلط فہمی نری غلط فہمی ہی نہیں بلکہ شرارت آمیز جسارت ہے۔

اب قلم کاغذ والی روایت کو دیکھیں۔ اگر حضورؐ خلافت کے بارے میں کوئی وصیت واقعی لکھوانا چاہتے تھے تو وہ یقیناً آسمانی وحی کے تحت تھا۔ اب اگر یہ مان لیں کہ عمرؓ اس کارِ رسالت میں حارج ہوئے اور حضورؐ وہ وصیت نہ لکھوا سکے تو ﴿بلغ ماأنزل إليک من ربک﴾ میں خلل واقع ہوتا ہے۔ گویا حضورؐ ایک وحی بندوں تک پہنچانے میں ناکام رہے۔ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان یہ بات تسلیم کر سکتا ہے؟ کیا عمرؓ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلوں پر بھی اثر انداز ہو سکتے تھے؟ اور اگر انہوں نے ایک دفعہ تو کاغذ قلم نہ لانے دیا تو حضورؐ اس واقعہ کے بعد بھی دنیا میں تشریف فرما رہے۔ آپؐ پھر کاغذ قلم منگا سکتے تھے۔ یہ اور اس قسم کی ساری موضوع الزام تراشی سراسر واہی ہے۔ ان پر توجہ دینا بھی درست نہیں ہے۔

انسانی جسم کا بہترین اور بدترین عضو

حکیم لقمان کو ان کے مالک نے ایک بکری دی اور کہا کہ اس کو ذبح کر کے اس کے بدن کا بدترین عضو میرے پاس لاؤ۔ حکیم لقمان نے بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان مالک کے پاس لے آئے۔ مالک نے پھر ایک بکری دی اور کہا کہ اس کو ذبح کرو اور اب اس کا بہترین عضو میرے پاس لے آؤ۔ حکیم لقمان نے بکری ذبح کی اور پھر اس کا دل اور زبان مالک کے پاس لے کر آ گئے۔ مالک نے پوچھا یہ کس طرح؟ آپ نے کہا: ''اے میرے آقا! دل اور زبان جب برے ہو جائیں تو ان سے بدتر کوئی عضو نہیں۔ اور اگر یہ اچھے ہوں تو ان سے بہتر کوئی عضو نہیں ہو سکتا۔''

ذلیل کو ذلیل سے مانگنا چاہئے

ایک بزرگ نے ایک مرتبہ امیر شخص کے پاس اپنا آدمی بھیج کر کوئی چیز طلب کی۔ اس امیر نے طنز کے طور پر کہلا بھیجا۔ جس سے تم آخرت کے طلبگار رہا کرتے ہو اسی سے کیوں طلب نہیں کرتے؟ ان بزرگ نے کہلا بھیجا۔ تو ذلیل ہے اور دنیا بھی ذلیل ہے اس کے مقابل حق تعالیٰ شریف ہے اور آخرت بھی شریف ہے۔ لہذا میں ذلیل کو ذلیل سے اور شریف کو شریف سے مانگتا ہوں۔ (مرسلہ نثار احمد فتحی)